ہراحمدی تحریک جدید میں
بڑھ چڑھ کر حصّہ لے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہر احمدی تحریک جدید میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے

(فرمودہ ۲؍ستمبر ۱۹۵۱ء برموقع جلسہ یوم تحریک جدید بمقام بیت مبارک ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا پیغام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک ایک ہی رہا ہے۔ بے شک اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، اس میں ترقی ہوتی رہی ہے لیکن مغز اور جڑ ایک ہی رہی ہے۔ مثلاً مذہب کی جڑ ہے خدا تعالیٰ پر ایمان لانا اور پھر خدائے واحد پر ایمان لانا۔ زمانے کی ضرورتوں اور لوگوں کی عقل کے معیار کے مطابق توحید کی شرح پہلے موٹی تھی پھر درمیانے درجہ کی ہوئی اور پھر فلسفی اور باریک رنگ کی ہوگئی۔ لیکن کہا ہر نبی نے یہی ہے کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی نے یہی کہا ہے کہ ہمیشہ ایک خدا کی عبادت کرنی چاہئے۔ ہاں عبادت میں آگے فرق ہو گیا ہے۔ زمانہ کے حالات، لوگوں کی عقل کے معیار اور اُن کے کام کاج اور اخلاص کے معیار کے مطابق کسی مذہب میں ہفتہ میں ایک نماز فرض کر دی گئی اور باقی کو نفل قرار دے دیا گیا۔ کسی مذہب میں صبح و شام دو نمازوں کو فرض قرار دے دیا گیا اور باقی نمازوں کو نفل قرار دیا گیا اور اسلام میں آ کر خدا تعالیٰ نے پانچ نمازیں ایک دن رات میں فرض قرار دے دیں اور باقی نمازوں کو نفل قرار دے دیا لیکن عبادت درحقیقت ایک ہی رہی ہاں اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔

پھر روزے ہیں۔ ہر مذہب میں روزے کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ روزوں کی شکل میں

فرق ہے۔ ہندوؤں میں اُس زمانہ کے حالات اور مشکلات کو دیکھ کر یہ روزہ قرار دیا گیا کہ چولھے کی پکی ہوئی چیز نہیں کھانی، کوئی مادی اور ٹھوس چیز نہیں کھانی۔ ہاں اگر کوئی ہلکی پھُلکی چیز ہو اور وہ کھالی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اُس زمانہ میں لوگ جنگلات میں رہتے تھے اور غیر محفوظ تھے۔ دُشمن اور جانوروں کے اچانک حملہ کا اِنہیں مقابلہ کرنا پڑتا تھا اِس لئے روزوں میں کھانا بالکل بند نہ کیا گیا تا کہ ان کی طاقت بحال رہے اور انسان کمزور نہ ہونے پائے۔ اُس وقت شہر نہیں تھے اور نہ ہی مقرر شُدہ راستے تھے۔ دُشمن چوری چوری حملہ آور ہوتا تھا۔ مہذب مُلکوں میں تو راستے مقرر ہوتے ہیں اور خواہ دُشمن ہوں یا دوست اُن ہی راستوں کے ذریعہ آتے جاتے ہیں اِس لئے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے میں سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں لیکن پہلے زمانہ میں یہ سہولتیں نہیں تھیں۔ جس طرح جنگل میں ایک شکاری اچانک بندوق ہاتھ میں لے کر جانور کے سر پر پہنچ جاتا ہے اِسی طرح لوگ جنگلوں میں رہتے تھے تو دُشمن اُن پر اچانک حملہ آور ہو جاتا تھا اِس لئے روزوں میں یہ رعایت دی گئی کہ وہ ہلکی پھُلکی چیزیں کھا سکتے ہیں۔ گویا روزہ اُس وقت بھی موجود تھا ہاں اِس کی شکل بدلی ہوئی تھی۔ البتہ ہندوؤں میں کچھ روزے ایسے بھی تھے جن میں ہماری طرح کھانا پینا بالکل منع ہوتا تھا۔

پھر عیسائیوں میں بھی روزے پائے جاتے ہیں۔ کچھ روزے ایسے ہیں جن میں آدھے دن کا فاقہ ہوتا ہے یا ویسے بعض پابندیاں لگا دی جاتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ گوشت نہیں کھانا۔ اِسی طرح دوسرے مذاہب میں روزے پائے جاتے ہیں۔ اسلام نے ان روزوں کی شکل بدل دی ہے ورنہ روزہ اپنی ذات میں وہی ہے جو پہلے زمانوں میں تھا۔

پھر زکوٰۃ اور صدقہ ہے۔ یہ بھی ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے بعض پابندیاں عائد کی جاتی رہی ہیں لیکن اصول ایک ہی رہے ہیں۔ عیسائیوں، زرتشتیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور دیگر سب مذاہب میں صدقہ اور زکوٰۃ پائے جاتے ہیں ہاں شکل اور تفصیل میں فرق آ گیا ہے۔

پھر حج ہے یہ بھی قریباً ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ عرب میں حج کرنے کا رواج تھا

یہودی بھی بیت المقدس جاتے تھے۔ زرتشتی بھی ایسے مقدس مقامات پر جمع ہوتے تھے۔ ہندو بھی گنگا جمنا اور ہردوار جاتے تھے۔ گویا حج ہر مذہب میں تھا لیکن اس کی شکل مختلف تھی۔

غرض توحید ہر زمانہ میں ایک تھی۔ عبادت بھی وہی تھی صرف تفصیل میں کچھ فرق نظر آتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نہ کسی رنگ میں اِس کا وجود پایا جاتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں یہ موٹے رنگ میں تھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس میں باریکی اور فلسفہ پیدا کر دیا۔

پھر چوری ہے۔ یہ بھی ہر مذہب میں بُری سمجھی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نبیوں نے اس سے روکا ہے۔ پھر ہر نبی نے جھوٹ سے منع کیا ہے ہر نبی نے یہ کہا ہے کہ قتل مت کرو۔ قرآن کریم میں ہابیل اور قابیل کا قصّہ موجود ہے۔ اِن میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ تم مجھے قتل نہ کرو کہ اِس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی تعلیم پیش کی ہے۔ گویا اخلاقی تعلیم بھی اصولی لحاظ سے ہر زمانہ میں ایک سی تھی۔ پھر لین دین میں انصاف کے متعلق ہر نبی نے تعلیم دی ہے۔ پھر اسلام میں یا اسلام کے بعد جدید کیا چیز ہے کہ اس کا نام جدید رکھا جائے۔ جہاں تک اصول کا تعلق ہے وہ ایک ہی ہیں۔ اسلام نے کوئی نیا اصل پیش نہیں کیا بلکہ بعض لوگوں نے یہاں تک دھوکا کھایا ہے کہ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی موجود تھا۔ حالانکہ اِس کا صرف یہ مطلب ہے کہ پہلے زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم تھا۔ اِس لئے وہ مذہب اسلام کہلانے کے مستحق تھے لیکن اسلام کے عقائد اور مسائل کی تفصیل پہلے نہیں پائی جاتی تھی۔ یوں اصولی لحاظ سے اسلام نے بھی کوئی نئی چیز پیش نہیں کی۔ جدید چیز جو ہے وہ درحقیقت کام کی روح ہوتی ہے۔ اس کی شکل ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد لوگ تعلیم کو بھول جاتے ہیں اور اُن ذمہ داریوں سے جو اُن پر عائد ہوتی ہیں فاضل ہو جاتے ہیں۔ ان ذمہ داریوں کی طرف لوگوں کو توجہ پھرانے

کے لئے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ لوگ تحریکیں کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا خدائے واحد سے محبت کے تعلقات پیدا کرو اور اس سے ملنے کی کوشش کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دُنیا میں آئے تو اُنہوں نے بھی یہی کہا کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرو اور اُس سے ملنے کی کوشش کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو اُنہوں نے بھی یہی کہا کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرو اور اُس سے ملنے کی کوشش کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں کوئی جِدّت نہیں پائی جاتی۔ جِدّت صرف یہ تھی کہ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم کو بھول چکے تھے۔ گویا موسوی تعلیم ان کے قلوب سے مٹ چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا چلو ہم کوئی نئی بات کریں تا لوگ اس طرف متوجہ ہوں۔ کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ کے مطابق لوگ نئی آواز کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں اس لئے یہودیوں میں پھر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہوگئی۔ اُنہوں نے اپنے اندر محبتِ الٰہی کو پیدا کیا۔ خدا تعالیٰ کی عزت کو دوبارہ قائم کیا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم پر دوبارہ عمل پیرا ہوئے۔ لیکن جب عیسائی بھی خدا تعالیٰ کی محبت کو بھول گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو اُنہوں نے پسِ پُشت ڈال دیا تو خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے محبتِ الٰہی کو دوبارہ قائم کیا لیکن مسلمان بھی چند صدیوں کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کو بھول گئے اور اُنہوں نے خدا تعالیٰ سے تعلقات منقطع کر لئے۔ اِس پر خدا تعالیٰ نے ان کی سُستی دُور کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کر دیا۔ گویا خدا تعالیٰ کے لحاظ سے تو مذہب ایک ہی ہے لیکن بندوں کے لحاظ سے اس کی شکل بدلتی رہتی ہے کیونکہ وہ کچھ عرصہ کے بعد اس کو بھول جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے بھی یہی کہا تھا کہ جاؤ اور میرے بندوں کو میری طرف لاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی یہی کہا تھا کہ جاؤ اور میرے بندو کو میری طرف لاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی یہی کہا تھا کہ جاؤ اور میرے بندوں کو میری طرف لاؤ۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہی کہا تھا کہ جاؤ اور میرے بندوں کو میری طرف لاؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی کہا تھا کہ جاؤ اور میری بندوں کو میری طرف لاؤ اور اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہی کہا ہے کہ جاؤ اور میرے بندوں کو میری طرف لاؤ۔ درحقیقت بات ایک ہی تھی لیکن وہ نئی تھی اُن لوگوں کے لئے جو خدا تعالیٰ سے غافل ہو گئے تھے اور اُس کی تعلیم کو بھول گئے تھے۔ جیسے کسی نے اگر کوئی شہر بچپن میں دیکھا ہو پھر وہ بڑھاپے کے وقت اُس میں دوبارہ جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا اور وہ اُسے بالکل نیا معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص غرض کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ غرض قیامت تک مقدم رہے گی اور باقی ہر چیز اس سے مؤخر رہے گی۔ جو لوگ اِس غرض کو بھول جاتے ہیں وہ اِس دُنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور اگلی زندگی میں بھی ذلیل ہوتے ہیں۔ اِس دُنیا میں انسانوں کے دو گروہ ہوتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ کو نہیں مانتا اور ایک وہ گروہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ کو مانتا ہے۔ اب جو شخص اپنی غرضِ پیدائش کو بھول جاتا ہے وہ دُنیا میں اس طبقہ کے لوگوں میں ذلیل ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ کو مانتے ہیں اور جو نہیں مانتے ان میں ان کی ایک حد تک قدر ہوتی ہے لیکن اگلی زندگی میں وہ سب لوگوں کے سامنے ذلیل ہوتا ہے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے سامنے بھی وہ ذلیل ہوتا ہے۔ بسا اوقات دُنیا میں خدا تعالیٰ کے برگزیدہ کو نہ ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں اِس لئے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ کا مخالف یہ سمجھتا ہے کہ اس کی عزت زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ اسے اکثریت کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب ایک دفعہ قادیان آئے اور ایک بڑے جلسہ میں نعرہائے تکبیر میں اُنہوں نے کہا مَیں ایک نکتہ بیان کرتا ہوں۔ مرزا صاحب اور میرے درمیان آسان طریقِ فیصلہ یہ ہے کہ مرزا صاحب میرے ساتھ کلکتہ تک ٹرین میں چلیں۔ کلکتہ تک سینکڑوں اسٹیشن ہیں ہم دیکھیں گے کہ راستہ میں اُنہیں پتھر پڑتے ہیں یا مجھے، اور پھول مُجھ پر برسائے جاتے ہیں یا اُن پر۔ کلکتہ تک جاتے ہوئے اِس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ

مسلمان کس کی تائید میں ہیں۔ جماعت کے دوست گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور اُنہوں نے کہا لوگوں پر بڑا اثر ہؤا ہے اور وہ اُس وقت سخت جوش میں ہیں۔ شام کو میری تقریر تھی۔ مَیں نے کہا مولوی ثناء اللہ صاحب نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ سچا کون ہے صرف فرق یہ ہے کہ اُنہوں نے نتیجہ از خود نکال لیا ہے۔ اگر نتیجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلا ہؤا ہے تو اچھا ہے۔ مَیں نے کہا مولوی ثناء اللہ صاحب نے کہا ہے کہ مرزا محمود احمد میرے ساتھ کلکتہ چلیں ہم دیکھیں گے کہ راستہ میں پھُول کس پر برستے ہیں اور پتھر کس پر پھینکے جاتے ہیں۔ مَیں نے کہا مولوی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جس پر پھُول پڑیں گے وہ سچا ہوگا۔ حالانکہ نتیجہ نکالنا اِن کا کام نہیں تھا۔ ہم سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل گزر چکے ہیں۔ مولوی صاحب خود بتا دیں کہ مکّہ میں پتھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑا کرتے تھے یا ابوجہل کو؟ اور پھُول ابوجہل کو پڑا کرتے تھے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ اور اگر پتھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑا کرتے تھے اور پھُول ابوجہل پر برسائے جاتے تھے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ جس پر پتھر پڑیں گے وہ سچا ہے اور جس پر پھُول برسائے جائیں گے وہ جھوٹا ہے۔ غرض کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گندی حالت کی وجہ سے اکثریت اُن لوگوں کی ہو جاتی ہے جو دین سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ بد اخلاقی اور بے دینی کی ایک رَو چل پڑتی ہے۔ جس طرح اِس زمانہ میں احراری ہیں۔ اِنہیں ہزاروں آدمی میسّر ہیں جن میں وہ کھڑے ہو کر نعرے لگاتے ہیں، جلوس نکالنے کے لئے انہیں ہزاروں لوگ مل جاتے ہیں۔ ہماری طرف سے اگر کوئی دھتکارا جاتا ہے تو وہ اسے سٹیج پر کھڑا کر کے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عزت اِسی جھوٹ میں ہی ہے اور بظاہر وہ معزز نظر آتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک عزت اُس کو ملتی ہے جو صداقت شعار ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی تعلیم کا پیرو ہوتا ہے اور راستبازوں کے نزدیک بھی وہی سچا ہوتا ہے لیکن اِس دُنیا میں بظاہر جھوٹ بولنے والے مؤیّدین کی اکثریت کی وجہ سے اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہیں۔

ایک دفعہ میرے پاس دیوبند کے دو طالب علم آئے۔ اُنہوں نے کہیں سے یہ سُن لیا

تھا کہ مَیں نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ میرے پاس کچھ اَور دوست بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں طالب علم بھی آ کر بیٹھ گئے اور ان میں سے ایک جو زیادہ تیز معلوم ہوتا تھا اُس نے کہا آپ کہاں تک پڑھے ہوئے ہیں؟ مَیں سمجھ گیا کہ وہ گستاخ ہے۔ مَیں نے کہا مَیں نے کچھ نہیں پڑھا۔ اُس نے کہا پھر بھی آپ کِس مدرسے میں پڑھے ہیں؟ مَیں نے کہا اگر مَیں پڑھا ہوتا تو مَیں پہلے ہی بتا دیتا۔ وہ کہنے لگا کیا آپ ہندوستان یا پنجاب کے کسی سکول کے فارغ التحصیل نہیں ہیں؟ مَیں نے کہا مَیں نے ایک دفعہ واضح کر دیا ہے کہ جس چیز کو آپ پڑھائی خیال کرتے ہیں وہ مَیں نے کہیں سے بھی حاصل نہیں کی۔ جس وقت مَیں نے یہ کہا تو اس کے دوسرے ساتھی نے جو ذرا ہوشیار معلوم ہوتا تھا اُس کے گھٹنے کو چھُو کر چُپ کرانے کی کوشش کی لیکن چونکہ وہ جوش میں تھا چُپ نہ ہؤا۔ اُس نے کہا اِس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ بالکل اَن پڑھ ہیں۔ مَیں نے کہا آپ کی گفتگو کی بنیاد اِس بات پر تھی کہ مَیں کس مدرسہ میں پڑھا ہوں اور کس نصاب کو مَیں نے پاس کیا ہے؟ سو مَیں نے کوئی سکول یا نصاب پاس نہیں کیا۔ مَیں نے وہی تعلیم حاصل کی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کی تھی اور آگے اپنے متبعین کو دی اور وہ قرآن ہے۔ اب آپ فیصلہ کرلیں کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (نعوذ باللہ) جاہل تھے یا عالم۔ بے شک جو درجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ بہت بلند ہے۔ ہم دونوں ایک ہی کتاب پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ میرے اِس جواب پر وہ خاموش ہو گیا۔ غرض بعض دفعہ انسان جھوٹی خوشی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے نزدیک جب تک کسی نے سُلّم، الشّمس البازغہ، شروح کافیہ وشروح شافیہ اور سیبویہ اور ہدایہ اور شافی وغیرہ کتب نہ پڑھی ہوں وہ عالم نہیں کہلا سکتا۔ علماء سب تفاسیر تو نہیں پڑھے ہوتے ہاں اُنہوں نے بیضاوی کے چند سیپارے پڑھے ہوتے ہیں اور اِس کا نام وہ علم رکھتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے زمانہ میں نہ منطق تھی نہ فلسفہ صرف قرآن ہی قرآن تھا۔ پھر آپؐ نے کیا پڑھا تھا؟ صرف قرآن کریم اور قرآن کریم اخلاق، علم النفس، فلسفہ اور منطق سب کچھ پیش کرتا ہے لیکن لوگ چاہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہٹ کر بندوں کی

طرف مائل ہو جائیں۔ اگر یہ کہیں کہ مَیں فلاں کتاب پڑھا ہوں جو مصنفہ خدا تعالیٰ ہے تو یہ بات اُنہیں تسلی نہیں دیتی۔ اُنہیں یہ بات تسلی دیتی ہے کہ کس نے وہ کتاب جو مصنفہ بیضادی ہے پڑھی ہو مصنفہ خدا تعالیٰ ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ اور جب انہیں ایسی باتوں کا پتہ لگتا ہے یعنی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم بیضادی پڑھے ہوئے ہیں اور فلاں نے بیضادی نہیں پڑھی تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ عیسائی بھی یہ شور مچاتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بائیبل اور عبرانی نہیں جانتے تھے اِس لئے جو قصّے جھوٹے تھے وہ اُنہوں نے قرآن کریم میں درج کر دیئے ہیں سچّے قصّے اُنہوں نے درج نہیں کئے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک جو قصّے قرآن میں بیان نہیں ہوئے وہ اِس قابل نہیں تھے کہ قرآن کریم میں بیان ہوتے۔ لیکن بعد میں آنے والے مسلمانوں نے ان قصّوں کو بھی نہ چھوڑا جن کو قرآن کریم نے چھوڑ دیا تھا اور اُنہوں نے وہ سب قصّے تفسیروں میں بھر دیئے اور لکھ دیا کہ فلاں روایت یوں آتی ہے اور فلاں روایت یوں آتی ہے۔ یہ باتیں بالکل ایسی ہی ہیں جیسے کوئی نجاست پھینکے تو دوسرا شخص اُسے قبول کرے۔ غرض یہ چیزیں کمزوروں کے لئے تو کچھ اثر رکھتی ہیں لیکن طاقتور کے لئے یہ کوئی چیز نہیں۔ ہماری جماعت میں بھی جو کمزور تھے اُن کے دِل خائف تھے۔ جب ہم قادیان سے نکلے تو اُنہوں نے خیال کر لیا کہ اب سلسلہ کمزور ہو جائے گا لیکن ہمارے دل میں قادیان سے نکلنے کے بعد اَور زیادہ ایمان پیدا ہُوا اور اگر ہمیں خدانخواستہ یہاں سے بھی نکلنا پڑے تو اِس سے ہمارے ایمان میں اَور بھی زیادتی ہو گی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم جتنا نیچے گریں گے اُتنا ہی زیادہ اُبھریں گے اور اگر ہمیں دُشمن مٹا ڈالے گا تو پھر خدا تعالیٰ کوئی بہت بڑا معجزہ دکھائے گا اور ہمیں اس کے نتیجہ میں پہلے سے زیادہ طاقت عطا کرے گا۔ غرض یہ ابتلاء اور مصائب ایماندار کے لئے کوئی چیز نہیں۔ ہاں کمزور اس سے خائف ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دُشمن سے لڑائی کی کبھی خواہش نہ کرو جس کے معنے یہ ہیں کہ ابتلاؤں اور مصائب کی دُعا نہ کرو۔ ہمیشہ دُعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ تمہیں ان سے محفوظ رکھے لیکن باوجود اس کے مومن کا حوصلہ اتنا بلند ہونا چاہئے کہ ساری دُنیا بھی مقابلہ پر آئے تو جسم میں لرزہ پیدا نہ ہو۔ جب

تک یہ چیز انسان اپنے اندر پیدا نہیں کر لیتا اُس کا یہ خیال کر لینا کہ وہ مأمور کی جماعت میں داخل ہے اُسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ ہمارے رستہ میں کانٹے ہی کانٹے اور قربانیاں ہی قربانیاں ہیں۔ اگر ہم یہ خیال کر لیں کہ ہم پر کوئی مصیبت اور ابتلاء نہیں آئے گا تو یہ ہماری کمزوری ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے میری جماعت میں شامل ہونا پھولوں کی سیج پر چلنا نہیں بلکہ کانٹوں پر چلنا ہے۔ اگر تم نازک بدن ہو اور کانٹوں پر چلنا برداشت نہیں کر سکتے تو کہیں اَور چلے جاؤ۔ ہم احراریوں سے جو ہمیں ہر وقت مارنے کے لئے تدابیر کرتے رہتے ہیں نہیں ڈرتے۔ ہم تم سے ڈرتے ہیں۔ ہم اُس شخص سے ڈرتے ہیں جو ہمارے ساتھ چل پڑتا ہے اور پھر تلواروں سے ڈرتا ہے۔ ایسا شخص ہمیں کمزور کر سکتا ہے۔ احراریوں کے مقابلہ میں تو ہمارا ایک ایک احمدی ان کے دس دس ہزار آدمی سے زیادہ طاقتور ہے۔

غرض منافقت سب سے زیادہ خطرناک چیز ہے مگر لوگوں کو یہ غلطی لگی ہوئی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ منافق خود بھی اپنے آپ کو منافق سمجھتا ہے حالانکہ یہ درست نہیں۔ منافق اپنے آپ کو مومن ہی سمجھتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اُس کے کام بھی مومنوں والے ہیں یا نہیں؟ صرف اپنے آپ کو مومن کہہ دینا مومن بننے کے لئے کافی نہیں مومن قربانی میں ہمیشہ آگے بڑھتا ہے اور پھر افسوس کرتا ہے مَیں نے اِس قدر قربانی نہیں کی جس قدر کرنی چاہئے تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ [1] شرّاحِ حدیث نے تو اس کی عجیب وغریب تفسیر کی ہے لیکن اس کی سیدھی سادھی تفسیر یہی ہے کہ مومن کا نیک کام کرنے کا ارادہ اُس کے عمل سے ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اگر چھ نمازیں یعنی پانچ فرض اور چھٹی تہجد کی نماز پڑھتا ہے تو ساتھ ہی یہ ارادہ کرتا ہے کہ مَیں ان سے زیادہ نمازیں پڑھوں۔ وہ جس قدر نیک عمل کرتا ہے اُس سے بڑھ کر نیک عمل کرنے کی نیّت کرتا ہے۔ وہ اگر ایک روپیہ چندہ دیتا ہے اور خواہش یہ رکھتا ہے کہ ہو سکے تو وہ دو روپیہ چندہ دے اور اگر دو روپیہ چندہ دیتا ہے تو وہ خواہش رکھتا ہے کہ وہ اڑھائی روپے چندہ دے۔ غرض مومن کی نیّت اُس کے عمل سے زیادہ ہوتی ہے لیکن تم میں سے بعض کی یہ حالت ہے کہ وہ

قربانی کرتے وقت سوچنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے یہ قربانی کی تو فلاں خرچ کہاں سے پورا کریں گے۔ جب تمہارا بچہ بیمار ہو جاتا ہے اُسے ٹائیفائڈ یا ہیضہ ہو جاتا ہے تو کیا تمہاری اُس وقت کی قربانی اور دین پر حملہ کے وقت کی تمہاری قربانیاں ایک سی ہیں؟ اگر دونوں مواقع پر تمہاری قربانیاں ایک سی ہیں تب تو کوئی بات ہے لیکن تم اگر اپنے بچہ کی بیماری کے وقت تو اپنا لحاف اور پگڑی بھی بیچنے پر تیار ہو جاتے ہو اور اُس سے علاج کے اخراجات پورے کرتے ہو اور جب دین کی خاطر قربانی کرنے کا وقت آتا ہے تو تم بہانے بنانے لگ جاتے ہو تو تم کیسے مومن ہو۔ تمہارا یہ کہہ دینا کہ تم مومن ہو تمہیں مومن نہیں بنا سکتا اور تمہاری یہ دلیل درست نہیں ہوسکتی کہ تم اپنے آپ کو منافق خیال نہیں کرتے بلکہ مومن خیال کرتے ہو۔ تم مومن ہو یا منافق اِس کا فیصلہ خدا تعالیٰ نے کرنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں نہیں فرمایا کہ منافق یہ کہتا ہے کہ مَیں منافق ہوں مومن نہیں ہوں۔ وہ کہتا یہی ہے کہ مَیں مومن ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ منافق کی یہ علامت ہے کہ وہ موقع پر جھوٹ بولتا ہے۔ غصّہ آئے تو گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے جھوٹا کرتا ہے اور جب اُس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اُس میں خیانت کرتا ہے۔[۲] اب دیکھ لو ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ منافق اپنے آپ کو منافق سمجھتا ہے وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے لیکن موقع پر جھوٹ بولتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے لیکن غصّہ آنے پر گالیاں دینے لگ جاتا ہے۔ اور وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا (جیسے کہ کمزور وعدہ کرنے والے تحریک کے دفتر سے معاملہ کر رہے ہیں) اور جب اُس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اُس میں خیانت کرتا ہے۔ یہ وہ فیصلہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے متعلق فرمایا ہے اب جو شخص اِس کے خلاف منافق کی تعریف یہ کرتا ہے کہ منافق وہ ہے جو اپنے آپ کو منافق کہتا ہے یا سمجھتا ہے اُس کی مثال درحقیقت اُس پٹھان کی سی ہے جس نے فقہ کی کتاب ''قدوری'' یا ''کنز'' پڑھی (پٹھان فقہ بہت پڑھتے ہیں) اور فقہ میں پڑھا کہ حرکتِ قلیلہ بھی نماز کو توڑ دیتی ہے۔ پھر اُس نے ایک دن حدیث میں پڑھا کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے بچہ کو گود میں اُٹھا لیا تو کہنے لگا۔خو! محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔کسی دوسرے شخص نے کہا نماز تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے پھر تم کون ہو یہ کہنے والے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حرکت سے نماز ٹوٹ گئی۔پس فیصلہ تو خدا اور اُس کے رسول نے کرنا ہے تم خود اپنے آپ کو مومن سمجھ لو تو یہ درست نہیں ہوسکتا۔مومن اور منافق میں یہ فرق ہے کہ مومن ہر ضرورت کے وقت قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اُس کی نیت عمل سے بڑھتی جاتی ہے۔یعنی وہ قربانی کرتا ہے لیکن اُس کا نفس کہتا ہے کہ یہ قربانی تھوڑی ہے مَیں اور قربانی کروں۔اور پھر وہ ان بوجھوں کو برداشت کرتا ہے جو اس کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔جو وعدہ کرتا ہے اسے ضرور پورا کرتا ہے۔

مَیں نے کئی دفعہ سُنایا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد منشی اروڑے خان صاحب ایک دفعہ قادیان آئے۔آپ پہلے منشی تھے بعد میں ترقی کر کے تحصیلدار ہو گئے تھے۔اُس زمانہ میں منشی کی تنخواہ سات آٹھ روپیہ ہوتی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت کی وجہ سے وہ ہر اتوار قادیان آتے۔منشی صاحب کپورتھلے کے تھے اور اُن کا گاؤں قادیان سے پچیس چھبیس میل کے فاصلے پر تھا۔وہ پیدل چل پڑتے اور رستہ میں کہیں دو پیسے یا آنہ دے کر تانگہ پر بیٹھ جاتے اور پھر پیدل چل پڑتے۔آٹھ دس روپے تنخواہ کے لحاظ سے جو وہ جمع کر سکتے جمع کرتے اور جب قادیان آتے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بطور نذرانہ پیش کر دیتے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے کچھ دیر قبل یا وفات کے کچھ دیر بعد وہ تحصیلدار ہو گئے اور اُن کی تنخواہ بھی بڑھ گئی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے چھ سات ماہ بعد وہ قادیان تشریف لائے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے کہنے لگے مجھے ایک رُقعہ لکھ دیں مَیں نے میاں صاحب سے ملنا ہے۔اُس وقت خلیفہ تو آپ ہی تھے لیکن آپ نے پھر بھی ایک رُقعہ بطور سفارش مجھے لکھ دیا اور وہ رُقعہ اُنہوں نے اندر بھیجا اور مَیں باہر آ گیا۔اُنہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مصافحہ تک اُنہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا۔اُن

کے ہاتھ میں کچھ نقدی تھی۔ اُنہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور رونے لگ گئے۔ اُن کی حالت ایسی تھی جس طرح کسی بکرے کو ذبح کیا جاتا ہے۔ میری عمر چھوٹی تھی اور مَیں حیران تھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ رو رہے ہیں۔ آٹھ دس منٹ کے بعد اُنہوں نے بولنا شروع کیا لیکن پھر بھی وہ متواتر نہیں بول سکتے تھے۔ آدھا فقرہ کہتے اور رونے لگ جاتے۔ پھر ایسا کرتے۔ آٹھ دس منٹ میں جو فقرہ اُنہوں نے مکمل کیا وہ یہ تھا کہ مَیں ہمیشہ خیال کرتا تھا کہ کتنی دیر کے بعد خدا تعالیٰ نے اُمت کی التجاؤں کو سُنا ہے اور اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ مَیں دیکھتا تھا کہ لوگ اپنے پیروں کو سونا پیش کرتے ہیں اور آپؑ کی شان تو اُن سے بہت زیادہ ہے۔ میری خواہش تھی کہ مَیں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سونا پیش کروں لیکن زیادہ دیر انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو رقم جمع ہوتی مَیں وہ یہاں آکر پیش کر جاتا۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ خدا تعالیٰ نے میری تنخواہ بڑھا دی اور اُس نے توفیق دی کہ سونا جمع کر کے میں اپنی خواہش کو پورا کر سکوں لیکن جب یہ وقت آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو گئے۔ یہ فقرہ کہا ہی تھا کہ ان کی چیخ نکل گئی۔ پھر وہ کچھ سنبھلے اور کہا جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دُنیا میں تھے تو مجھے سونا میسّر نہیں تھا اور جب سونا میسّر آیا تو آپ اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اُن کے ہاتھ میں اُس وقت پانچ یا سات اشرفیاں تھیں وہ اُنہوں نے مجھے دیں اور کہا یہ اب حضرت (خلیفۃ المسیح) کو دے دی جائیں۔

وہ لوگ بھی انسان تھے جنّات نہیں تھے وہ بھی تمہارے جیسے مرد تھے فرشتے نہیں تھے، اُن کو بھی کھانے پینے کی ضرورت تھی، اُن کے ساتھ بھی دُنیاوی حوائج لگی ہوئی تھیں لیکن ان کے اندر ایمان کا شعلہ بھڑک رہا تھا اور وہ قربانی کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خواہ ہم ننگے رہیں لیکن خدا تعالیٰ کا بلند کیا ہوُا جھنڈا اُونچا رہے لیکن تم ان سے کئی گُنا زیادہ ہو چکے ہو۔ تم احمدیت سے جو لذّت حاصل کر رہے ہو یہ لذّت وہ حاصل نہیں کرتے تھے۔ اُس وقت احمدیوں کی تعریف کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اُس وقت ابھی مرکز کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔ جیسے مکڑی اپنا جالا بُنتی ہے لیکن یہ کہ وہ دُور دُور ممالک میں نکل جائیں،

تبلیغ کریں اور عیسائیوں اور ادنیٰ اقوام کو مسلمان بنائیں اور اِس طرح اسلام کا جھنڈا بلند کریں یہ چیز انہیں حاصل نہیں تھی۔ یہ چیز اب تمہیں نصیب ہوئی ہے۔ اِس لئے کہ تم نے تحریک جدید میں دودو، چار چار، سَو سَو، دو دو سَو روپے دیئے ہیں اور اس خرچ سے باہر مبلّغ بھیجے جاتے ہیں اور وہ دوسری اقوام میں تبلیغ کرتے ہیں۔ جب تمہیں احراری یا اس قسم کے دوسرے لوگ گالیاں دے رہے ہوتے ہیں تو اُن میں سے ایک آدمی کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے چاہے تم انہیں گالیاں دو لیکن اسلام کی صحیح خدمت یہی لوگ کر رہے ہیں۔

پس چاہیئے تو یہ تھا کہ ہر احمدی اس تحریک میں شامل ہوتا اور پھر ہر سال آگے نکلنے کی کوشش کرتا اور اپنے وعدہ کو پورا کرتا لیکن حالت یہ ہے کہ بجٹ وہی ہے۔ بجٹ میں جو ۱۲ لاکھ روپیہ کی رقم دکھائی گئی ہے اِس میں بیرونی مُمالک کی رقوم بھی شامل ہیں جو پہلے بجٹ میں شامل نہیں کی جاتی تھیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اصلی بجٹ بھی پہلے سے ۵۰، ۶۰ ہزار زیادہ ہے لیکن ہر سال پانچ سات ہزار کا خرچ بڑھ جانا معمولی چیز ہے۔ اعتراض تب تھا جب مقامی اخراجات زیادہ بڑھ جاتے لیکن صورت یہ ہے کہ بجٹ بڑھا نہیں لیکن باوجود اس کے کہ بجٹ وہی ہے ساری آمد پہلے تین ماہ میں خرچ ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ اخراجات کا بجٹ زیادہ ہو گیا ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ جماعت میں سے ایک حصّہ سُست ہو گیا ہے۔ پچھلے سال بھی مجھے بار بار توجہ دلانی پڑی اور میرے بار بار توجہ دلانے پر جماعت سنبھل گئی لیکن یہ سال پچھلے سال سے بھی بدتر ہے۔ پچھلے سال اِس وقت تک ایک لاکھ اٹھارہ ہزار روپیہ وصول ہو چُکا تھا اور وہ سال اتنا خراب تھا کہ کئی دن بغیر کسی آمد کے گزر جاتے تھے۔ اس سال باوجود اِس کے کہ احباب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ وقت پر وعدہ ادا کریں گے اور قربانی پیش کریں گے صرف ایک لاکھ ۱۲ ہزار پانسو روپیہ کی آمد ہوئی ہے۔ گویا تحریک جدید کے لحاظ سے جو سال تاریک اور بُرا تھا، یہ سال اُس سے بھی زیادہ تاریک اور بُرا ہے۔ اِن حالات میں جو لوگ وعدہ پورا کرنے میں سُستی کر رہے ہیں اُن کا کیا حق ہے کہ وہ کہیں کہ ہم وہ جماعت ہیں جس نے اسلام کو تمام دُنیا پر غالب کرنا ہے۔ اگر وعدے نہ کرتے تو اِس سے بہتر تھا کہ وہ وعدے کر کے

انہیں پورا نہیں کر رہے۔ اصل بات تو یہی تھی کہ وہ بھی وعدے کرتے اور دوسرے احمدی بھی وعدے کرتے اور پھر ان کو جلد سے جلد ادا کرتے۔ تحریک جدید کے قواعد کے ماتحت اپنے ماحول کو اور اپنے اخراجات کو ایسا بناتے کہ وہ قربانی کر سکتے۔ مگر اِس سے اُتر کر یہ مقام تھا کہ وہ کہہ دیتے کہ ہم اِس بوجھ کو نہیں اُٹھا سکتے۔ تم ہنستے ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر کہ اُنہوں نے وقت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝۲۵ [۳] کہ جاؤ تُو اور تیرا ربّ لڑتے پھرو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر وہ لوگ ان سے اچھے تھے جنہوں نے تحریک کے وعدے کر دیئے اور وقت پر پورا کرنے کی کوشش نہ کی کیونکہ اُنہوں نے اپنے نبی سے سچ سچ کہہ دیا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر دُشمن سے نہیں لڑ سکتے۔ اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھوکا نہیں دیا۔ اگر پچاس ساٹھ ہزار آدمی اُن کے ساتھ مل جاتا اور پھر دُشمن کے مقابل پر آ کر بھاگ جاتا تو یہ زیادہ خطرناک تھا۔ مَیں اگر اکیلا باہر نکلوں گا تو مَیں اپنی طاقت کے مطابق سکیم تیار کروں گا لیکن اگر پچاس ساٹھ آدمی کا جتھا میرے ساتھ دُشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور جب دُشمن سامنے آ جائے تو وہ بھاگ کھڑا ہو تو اِس سے وہ کام جس کے لئے ہم باہر نکلے تھے پورا نہیں ہو سکتا بلکہ خود امام کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ پس اگر اِن لوگوں میں روحانیت ہوتی، اگر ان میں ایمان ہوتا، اگر شرافت ہوتی تو وہ اپنے وعدوں کو جلد ادا کر دیتے۔ اِس سال سے پہلے دو لاکھ اسّی ہزار تک بھی وعدے ہوتے رہے ہیں اور وہ پورے ہوتے رہے ہیں لیکن اِس سال دو لاکھ سینتالیس ہزار روپے میں سے صرف ایک لاکھ بارہ ہزار پانچ صد روپے وصول ہوئے ہیں۔ یہ کیا کمال ہے جس کا دعویٰ کرتے ہوئے تم میں سے بعض کے مُنہ سے جھاگ آنے لگتی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے اندر کافروں والی دلیری ہی کیوں پیدا نہ کر لی کہ یہ کہہ دیتے کہ جاؤ ہم تمہارے ساتھ مل کر کام نہیں کرتے جس سے کم سے کم یہ پتہ تو لگ سکتا کہ میرے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس سے سویں حصّہ سے کام لے لیا تھا۔ اگر پہلے دن ہی یہ معلوم ہو جاتا کہ ہمارے ساتھ کام کرنے والے تھوڑے ہیں تو ہم کام کی نوعیت بدل

دیتے اور بجائے مرکز قائم کرنے کے ہم خود ہی باہر نکل جاتے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہتے۔ لیکن اب شروع سال میں تو اُنہوں نے وعدے کئے کہ ہم قربانی کریں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے مگر موقع پر آ کر دھوکا دے دیا۔ اوّل تو وعدے بھی بعض کے اپنی شان سے کم ہوتے ہیں اور بعد میں عین وقت پر ایسے لوگ بھاگ جاتے ہیں۔ اگر وعدہ پورا نہیں کرنا تھا تو پھر وعدہ ہی کیوں کیا تھا۔ اُنہوں نے کیوں اپنا ایسا ماحول پیدا نہ کر لیا کہ جس سے وعدہ ادا کرنے میں سہولت ہوتی۔

آج سے پندرہ سال پہلے جب تحریک جدید شروع ہوئی تو اس وقت کے لوگ زیادہ چُستی کے ساتھ ادائیگی کرتے تھے۔ اُس وقت ایک چپڑاسی کی تنخواہ ۱۲، ۱۳ روپے تھی اور اب چالیس روپے کے قریب ہے۔ اگر آج سے ۱۰، ۱۵ سال قبل وہ ۱۳ روپے میں سے پانچ روپے سالانہ دے سکتا تھا تو وہ آج کیوں پانچ روپے نہیں دے سکتا۔ یہ صرف اِس لئے ہے کہ آج سے دس پندرہ سال پہلے تحریک جدید میں حصّہ لینے والا یہ سمجھتا تھا کہ ان پانچ روپوں پر میری آئندہ روحانی زندگی کا دارومدار ہے اور وہ شروع سال سے ہی ان کی ادائیگی کی فکر کر لیتا تھا۔ اب چالیس روپے تنخواہ والا آدمی بیٹھا رہتا ہے اور خیال کر لیتا ہے کہ پانچ روپے میں کونسی جلدی ہے جلد ادا کر لوں گا۔

مَیں نے پہلے بھی کئی دفعہ ذکر کیا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لئے باہر تشریف لے گئے اُس وقت تین صحابہؓ سے سُستی ہو گئی تھی اور وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اُنہوں نے خیال کر لیا تھا کہ ہمیں کونسی جلدی ہے۔ روپیہ پاس ہے جب چاہیں گے تیاری کر لیں گے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جائیں گے۔ وہ اِسی طرح کرتے رہے حتّٰی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت دُور نکل گئے اور وہ صحابہؓ آپ کے ساتھ نہ مل سکے۔ اگر تم پہلے دن سے اپنے وعدے کی ادائیگی کی فکر کرتے تو اپریل مئی تک اپنے وعدے ادا کر لیتے۔ جو قربانی تم نے اب کمزور بن کر کرنی ہے تو تم نے اعلیٰ مومن بن کر ہی کیوں نہ کر لی۔ اب تم قربانی بھی کرو گے اور کمزور کے کمزور بھی رہو گے لیکن اس سے پہلے یہی قربانی کرتے تو تم اعلیٰ مومن کہلاتے اور پھر وہ

قربانی موجودہ قربانی سے کم ہوتی۔ قربانی کا اصل وقت وعدہ کے بعد کے پہلے چھ ماہ ہوتے ہیں۔ اگر تم اُس وقت وعدہ پورا کر لیتے تو اب چھاتی تان کر پھرتے کہ ہم نے تبلیغ کے لئے جس رقم کا وعدہ کیا تھا وہ ہم ادا کر چکے ہیں۔ اب سردیوں کا موسم آنے والا ہے کسی نے لحاف بنانا ہے، کسی نے سردیوں کے لئے کپڑوں کی مرمت کروانی ہے، جس پر کافی خرچ آئے گا اور پھر بچوں کے لئے اور اپنے لئے گرم کپڑے بنوانے ہیں۔ گرمیوں میں بستروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بستروں اور زیادہ کپڑوں کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ مَیں اس دفعہ بعض وجوہات کی بنا پر کسی پہاڑ پر نہیں جاسکا۔ ساری گرمیاں یہیں رہا ہوں۔ مَیں نے مہینہ بھر قمیض نہیں پہنی۔ رات کو صرف تہہ بند باندھ کر سوتا رہا ہوں۔ کیونکہ سر سے پیر تک گرمی کے دانوں کی وجہ سے زخم پڑے ہوئے تھے۔ کھانا کھانا چاہتا تھا تو بھُوک محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن سردیوں میں زیادہ کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے اور کھایا پیا اچھا جاتا ہے۔ پس اِس وقت تو آپ لوگوں کے سامنے سردیوں کے اخراجات آ چکے ہیں جو عام طور پر نومبر دسمبر تک ہوتے ہیں اِس کے بعد اِنسان اس بوجھ سے فارغ ہو جاتا ہے۔

پس قربانی کا بہترین وقت جنوری سے لے کر جون جولائی تک ہوتا ہے۔ خرچ کم ہوتا ہے اور زمینداروں کی دونوں فصلوں کی آمد اِس عرصہ میں آ جاتی ہے اور پھر تازہ وعدہ کی وجہ سے دلوں میں جوش ہوتا ہے۔ جو اِس وقت کو گزار دیتا ہے وہ اپنے آپ کو وعدہ خلافی کے خطرہ میں ڈال لیتا ہے۔ مَیں اِس بات کا اقرار کروں گا کہ یہ پہلا سال ہے جس میں میرا وعدہ ابھی تک پورا نہیں ہؤا تھا لیکن اِس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مَیں سمجھتا تھا کہ مَیں وعدہ پورا کر چُکا ہوں۔ قریباً ایک ماہ ہؤا کہ دفتر والوں نے مجھے یاددہانی کرائی۔ اِس پر مَیں نے انہیں کہا کہ تم نے اِس سے پہلے مجھے کیوں یاد نہ کرایا لیکن میں نے دفتر میں چیک دے دیا ہے کہ وہ تحریک جدید کو ادا کر دیں۔ معلوم نہیں کہ اُنہوں نے وہ چیک دے دیا ہے یا نہیں (بعد میں معلوم ہؤا کہ یہ چیک خزانہ میں پہنچ چُکا ہے) میری ہمیشہ ہی یہ کوشش رہی ہے کہ مَیں مارچ اپریل تک اپنا وعدہ ادا کر دوں۔ مارچ اپریل میں وعدہ کا پورا کرنا آسان ہوتا ہے اور انسان فارغ ہو کر اگلے سال کے متعلق سوچ بچار کرتا ہے اور

اس کے لئے سکیمیں بنانا شروع کر دیتا ہے۔ اگر نئے سال کے وعدہ تک بوجھ سر پر رہے تو وقت آنے پر انسان بُزدل ہو جاتا ہے۔ ایک طرف بھُوک نہ لگنے کی وجہ سے طبیعت پریشان ہوتی ہے تو دوسری طرف شدّتِ گرمی اور تپ وغیرہ کے ساتھ جان نکل رہی ہوتی ہے۔ پھر سردی کے اخراجات کا فکر شروع ہو جاتا ہے اس طرح نئے وعدے تک انسان کی جان نکل جاتی ہے اور اُس کے لئے وعدے میں اضافہ کرنا مُشکل ہو جاتا ہے۔ اگر جنوری سے اگست تک وعدہ ادا کیا جاتا تو نئے وعدہ سے دس ماہ قبل وہ اَکڑ کر چلتا اور نیا وعدہ بڑھ چڑھ کر کرتا۔ پہلے وعدہ ادا کرنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک لمبا عرصہ بوجھ سے فارغ رہنے کی وجہ سے قربانی میں بڑھنے کا موقع ملتا ہے۔

پس تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ جماعت کے پاس روپیہ ہے۔ ہم نے تقسیمِ مُلک سے قبل جماعت کی ماہوار آمد کا اندازہ لگایا تھا تو وہ ۱۳ لاکھ روپیہ کی تھی اور ابھی کئی وعدے وصول نہیں ہوئے تھے۔ اندازہ تھا کہ پندرہ سولہ لاکھ روپیہ ماہوار جماعت کی آمد ہے۔ اگر پندرہ سولہ لاکھ جماعت کی ایک ماہ کی آمد ہے تو اس کا اگر ۳۳ فیصد بھی دیا جائے تو ہمیں چھ لاکھ روپیہ مل سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وصولی بہت کم ہے۔ تین لاکھ پچاس ہزار روپیہ کے کُل وعدے ہیں لیکن وصولی صرف ایک لاکھ بارہ ہزار کی دفتر اوّل میں ہوئی ہے اور دفتر دوم میں صرف ۳۰، ۴۰ ہزار روپیہ وصول ہؤا ہے۔ اِس کی کام سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

تمام دُنیا میں تبلیغ کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔ تم پہاڑ کو خلالوں سے کھود نہیں سکتے۔ تم پھونکوں سے ہنڈیا پکا نہیں سکتے۔ تم تنکے پر بیٹھ کر دریا پار نہیں کر سکتے۔ تم نے جو کام کرنا ہے وہ نہایت عظیم الشان ہے۔ اتنے قریب وقت میں اتنے وسیع پیمانہ پر دُنیا کی کسی اور قوم نے کام نہیں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معلومہ دُنیا شام، فلسطین، عراق، مصر اور عرب تک محدود تھی۔ اب ہمارے مخاطب لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ تمام دُنیا معلوم ہو چکی ہے اور سائنس کی ترقی کی وجہ سے ذرائع آمد ورفت میں سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ پہلی قوموں کے اگر دس پندرہ لاکھ انسان مخاطب ہوتے تھے تو ہمارے اڑھائی ارب انسان مخاطب ہوتے تھے تو ہمارے اڑھائی ارب انسان مخاطب

ہیں۔اب تمہیں پہلوں سے بہت بڑھ کر قربانی کرنا پڑے گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم پہلوں والی قربانی بھی نہیں کرتے۔ جب تک تم اپنی روح کو بدلو گے نہیں، جب تک تم اس طرح غسل نہیں لے لیتے جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے جاری کیا تھا۔آپ نے بپتسمہ جاری کیا۔آپ جسم پر پانی کا چھینٹا دیتے اور کہتے ''لو اب تُو پاک ہو گیا ہے'' بپتسمہ کا مطلب یہی تھا کہ جس طرح تمہیں ظاہری غسل دیا گیا ہے اور اِس سے تم پاک ہو گئے ہو اِسی طرح تم اپنی روح کو بھی غسل دو اور اُسے صاف کرو۔

پس جب تک تم اپنی روح میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے تم اس بوجھ کو اُٹھا نہیں سکتے۔ اگر تم نے وعدہ کر کے اُسے ادا نہیں کرنا تو تم پہلے سے ہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔تم اس کام میں شامل ہو کر اور وعدوں کی عدم ادائیگی سے جماعت کو نقصان پہنچا رہے ہو۔آج سے سترہ سال قبل بھی تو کام ہو رہا تھا۔اگرچہ وہ محدود تھا لیکن اُس وقت جماعت کا چندہ کہاں تھا۔ ہر زمانے کے مطابق انسان اپنی سکیم بناتا اور اس کے مطابق کام کرتا ہے لیکن اب سکیم بعض وعدہ کرنے والوں کے جھوٹے وعدوں کے مطابق بنائی جاتی ہے اِس لئے درمیان میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔کل ہی ایک مبلّغ کی شکایت آئی ہے کہ مجھے چھ ماہ تک کوئی خرچ نہیں ملا۔وہ مبلّغ جھوٹ نہیں بولتا۔محکمہ بہانے بنائے گا گو واقعہ کا انکار نہیں کرے گا لیکن حقیقت یہی نکلے گی کہ روپیہ نہیں تھا۔ ویسے وہ بہانے بنائے گا اور دوسرے محکمہ کو لکھے گا کہ رپورٹ کرو۔ اِس پر دس پندرہ دن لگ جائیں گے۔ پھر تیسرے محکمہ کو لکھا جائے گا کہ ایسا کیوں ہؤا؟ اور اس کی رپورٹ آنے تک دس بارہ دن اور گزر جائیں گے۔ پھر اوپر کے محکمہ کو لکھا جائے گا کہ اب کیا کریں لیکن مبلغ وہاں اکیلا بیٹھا ذلیل اور رُسوا ہو رہا ہے۔لوگ دیکھتے ہیں کہ اُس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں کپڑے دُھلانے کے لئے پیسے نہیں، سفر کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں اور اُس کا دل بیٹھا جاتا ہے۔ پس تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اور اگر تم نے اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرنی تو صاف کہہ دو کہ ہم کام نہیں کریں گے تا کہ ہم اس کے مطابق اپنی سکیم بدل دیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان پر اتنی ذمہ داریاں ہی ڈالی ہیں۔ جتنے سامان اُسے مہیا کئے گئے

ہیں۔ خدا تعالیٰ جو سامان مہیا کر دیگا اُس کے مطابق ہم کام کرتے جائیں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مخلصین کی جماعت اُس وقت آگے نکل آئے گی۔ مَیں نے اِس تحریک کا آغاز کرتے ہوئے ہی بتا دیا تھا کہ اس تحریک کی بنیاد روپے پر نہیں۔ اِس کی بنیاد قربانی پر ہے۔ اُس وقت کئی لوگ ہزاروں میل پیدل یا جہاز کے ڈیک پر یا ریل کا تھرڈ کا ٹکٹ لے کے باہر نکل گئے تھے۔

میرے نزدیک اس سُستی کی ذمہ داری صرف جماعت پر نہیں دفتر پر بھی ہے۔ نوجوان دفتروں میں آ گئے ہیں اور اُنہیں ہوئی جہاز کے سفر کے سِوا کوئی بات سُوجھتی ہی نہیں۔ اِس کا بجٹ پر اثر پڑتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ جو کام اِس سے پہلے ایک وکیل اپنے ہاتھ سے کرتا تھا اُس کے لئے اب وہ ایک ایک دو دو کلرک مانگتا ہے۔ اِن چیزوں سے نقصان ہوتا ہے۔ دس بارہ سال تک جب تک کام میرے سپرد رہا اگر کوئی وکیل کہتا کہ مجھے ایک آدمی کی ضرورت ہے تو مَیں کہتا کہ تم بھی آدمی ہو، تم خود کام کرو۔ پہلے صرف دو آدمی تھے جن کے سپرد تحریک جدید کا کام تھا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور عام کاموں کے سیکرٹری تھے اور چوہدری برکت علی خاں صاحب مال کے سیکرٹری تھے۔ پھر قریشی عبدالرشید صاحب آ گئے اور یہ تینوں کام چلاتے رہے۔ اگرچہ بعد میں انہوں نے ایک ایک دو دو کلرک لے لئے تھے لیکن کام بہت سادہ تھا لیکن اب وہی محکمہ صدر انجمن احمدیہ کو چیلنج کر رہا ہے حالانکہ صدر انجمن احمدیہ کی آمد تحریک جدید کی آمد سے پانچ گُنے زیادہ ہے۔ نوجوان آئے اور اُنہوں نے مرکز کی اِس روح کو بدل ڈالا۔ عملہ بڑھایا جا رہا ہے پھر بھی کام میں دیر ہو جاتی ہے۔ پہلے سیدھے سادھے طور پر وہ کاغذات میرے پاس لاتے تھے۔ اب ہر جگہ شکایت ہے کہ کام کو لمبا کیا جاتا ہے۔ کئی دفعہ خود مجھے تین تین چار چار دفعہ کاغذ بھجوانے پڑتے ہیں پھر کہیں جواب آتا ہے۔ پہلی دفعہ کاغذ بھیجتا ہوں۔ چند دن کے بعد وہ سمجھتے ہیں شاید مَیں بھُول گیا ہوں گا۔ آخر مَیں بھی انسان ہوں۔ بعض دفعہ میں بھی بھُول جاتا ہوں۔ پھر دوبارہ کاغذ بھیجتا ہوں اور وہ کہتے ہیں ہم اس کا جواب بھیجتے ہیں۔ پہلے سُستی ہو گئی تھی اب نہیں ہو گی لیکن وہ کاغذ بھی پاس رکھ لیتے ہیں

اور چند دن کے بعد یہ سمجھ کر کہ مَیں بھُول گیا ہوں گا بے فکر ہو جاتے ہیں۔ غرض مرکز میں بھی اب نقص پیدا ہو رہا ہے۔ وکلاء اُس معیار پر قائم نہیں جس معیار پر انہیں قائم ہونا چاہیئے تھا۔ وہ ذاتی طور پر بہت کم کام کرتے ہیں اور دوسروں سے کام لینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ساری عمر ہم نے خود کام کیا اور دفتر سے پتہ کیا جا سکتا ہے کہ میرے ہاتھ کا لکھا ہؤا روزانہ کتنا ہوتا ہے۔ بے شک اب نقرس کی وجہ سے مجھ سے لکھا کم جاتا ہے اور اکثر اوقات مَیں کسی دوسرے شخص سے لکھواتا ہوں لیکن یہ بیماری کی وجہ سے ہے۔ پہلے میں کتابیں بھی تصنیف کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ ڈاک پر نوٹ بھی میں خود لکھتا تھا۔ مِسلوں پر نوٹ بھی مَیں خود لکھتا تھا اور یہ کبھی نہیں ہؤا تھا کہ مَیں نے اِس کام کے لئے کوئی آدمی رکھا ہو۔ اب بھی شوق ہے کہ مَیں اُنگلیوں کو کام کی عادت ڈالوں اور پھر خود کام کرنا شروع کردوں لیکن نقرس کی وجہ سے اُنگلیاں چلتی نہیں پھر بھی ہر ناظر اور وکیل سے زیادہ تحریر میری ہوتی ہے۔ بہرحال دفتر میں یہ نقص بھی ہے کہ وکلاء خود کام کم کرتے ہیں اور عملہ کو بڑھاتے جا رہے ہیں لیکن اِس کا تعلق آمد سے نہیں صرف تحریک کی روح کی خلاف ورزی ہے۔ آمد سے تعلق تب ہوتا اگر وعدوں سے بجٹ کو بڑھا کر پیش کیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں۔ خرچ کے بجٹ میں زیادتی ہوتی تو مرکزی انجمن ذمہ دار تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ آمد کم ہو رہی ہے۔ چھ ماہ میں جہاں تین لاکھ روپیہ وصول ہو جاتا تھا وہاں اب ۹ ماہ میں صرف ڈیڑھ لاکھ روپیہ وصول ہؤا ہے۔ حالانکہ مُلک میں آمدنیں بڑھ رہی ہیں۔ جب سے پاکستان بنا ہے مُلک آزاد ہو جانے کی وجہ سے تجارت اور صنعت بڑھ گئی ہے جس کا ماہوار آمدنوں پر اثر پڑا ہے۔ سنٹرل گورنمنٹ نے اب جو گریڈ بنائے ہیں اُس پر دو کروڑ روپیہ زائد خرچ آئے گا اور جن لوگوں کے گریڈ بڑھے ہیں اُن میں احمدی بھی ہیں۔ پھر صوبائی حکومت نے بھی تنخواہوں میں زیادتی کی ہے اور مُلکی آزادی کی وجہ سے لوگوں کی آمدنیں بڑھ گئی ہیں۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ چندے بڑھ جائیں۔ وصیت کا محکمہ ہے وہاں یہ اجازت ہے کہ جب کوئی چاہے اپنی وصیت منسوخ کرا دے لیکن پھر بھی لوگ وصیت منسوخ نہیں کراتے اور چندہ بھی نہیں دیتے۔ جب اخراج از جماعت کی سزا

ہوتی ہے تو چندہ ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدھا سادھا طریق یہ تھا کہ آمد کم ہوگئی ہے تو وصیت منسوخ کرالو اور جب حالات درست ہو جائیں تو پھر وصیت کر دو لیکن جماعت کے دوست اس اصول پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ وہ ناجائز طریق اختیار کرتے ہیں۔ مَیں جماعت سے کہوں گا کہ جو لوگ کام کرنا نہیں چاہتے بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائیں۔ جن لوگوں کا اس تحریک میں حصّہ لینے کو جی نہیں چاہتا ہم ان کو بُرا سمجھتے ہیں لیکن وہ لوگ ان لوگوں سے اچھے ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اور پورا نہ کیا۔ کم سے کم وقت پر اُنہوں نے ہمیں ہوشیار تو کر دیا۔

یہودیوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ**[۲۵] تو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے ایک سکیم بنالی۔ اگر یہودی ان کے ساتھ ہو جاتے لیکن وقت پر بھاگ جاتے تو بوجہ نبی ہونے کے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھاگ تو نہیں سکتے تھے لازمی بات تھی کہ وہ کم سے کم مارے جانے کے خطرہ میں پڑ جاتے لیکن جب یہودیوں نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے تو اُنہوں نے ایک نئی سکیم بنالی جس سے اُن کی جانیں بھی بچ گئیں اور کام بھی ہو گیا۔ لیکن اگر قوم انہیں عین وقت پر دھوکا دیتی تو اُن کی جانیں خطرہ میں پڑ جاتیں۔ مسلمان جنگِ حنین میں اپنی غلطی کی وجہ سے بھاگے اور ایک وقت ایسا آیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف ایک شخص رہ گیا یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا جس نے مدد کی اور آپ کو دُشمن کے نرغہ سے بچالیا لیکن جہاں تک ظاہری تدبیر کا سوال ہے اُس وقت جو صورت پیدا ہوگئی تھی اُس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت یقینی تھی۔ خدا تعالیٰ نے ہی معجزہ دِکھلایا ورنہ بھاگنے والوں نے تو آپ کو دُشمن کے سپرد کر دیا تھا۔ اگر وہ ساتھ نہ جاتے تو خدا تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اَور تدبیر بتا دیتا جس سے آپ کی جان محفوظ رہتی اور طائف بھی فتح ہو جاتا۔ آخر مدینہ بھی تو بغیر لشکروں کے فتح ہؤا تھا۔

پس تمہارے سامنے دونوں طریق موجود ہیں۔ زیادہ صحیح یہی ہے کہ ہر احمدی تحریک

جدید میں حصّہ لے اور بڑھ چڑھ کر حصّہ لے۔ زندگی کو اتنا سادہ بنالے کہ اس پر یہ قربانی دُوبھر نہ ہو اور تمام وعدے پہلے تین چار ماہ میں ہی ادا ہو جائیں۔ دوسرا مقام یہ ہے کہ تم بالکل انکار کر دو کہ ہم اس میں حصّہ نہیں لیں گے لیکن یہ سب سے خطرناک ہے کہ تم وعدہ کرو اور اُسے وقت کے اندر پورا نہ کرو۔ تم پہلے یہ چیز پوری طرح سمجھ لو اور پھر کام کرو۔ چاہئے کہ تم سب اِس میں شامل ہو جاؤ۔ اپنی زندگی کو سادہ بناؤ اور وعدے کو وقت کے اندر پورا کرو یا تم میں سے ایک حصّہ یہ کہہ دے کہ ہم آپ کے ساتھ اسلام کی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے لیکن اگر تم وعدہ کرو اور پورا نہ کرو تو یہ منافق کا کام ہے تم اِس صورت میں خدا تعالیٰ کے سامنے کبھی بھی اپنی براءت نہیں کر سکتے۔ تم خود سمجھ لو کہ اِن تینوں فریقوں میں سے تم کون سے فریق میں شامل ہو۔ جب تم وعدہ لکھاتے ہو تو کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نے وعدہ لکھوا دیا ہے لیکن دل میں یہ کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے غضب کے ماتحت ہم نے اس وعدہ کو پورا نہیں کرنا۔ یہ کتنی خطرناک چیز ہے کہ ایک دوست کے سامنے جس کا تم پر کوئی تصرف نہیں وہ تمہیں اگلی زندگی میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ تم خوش ہونا چاہتے ہو لیکن خدا تعالیٰ کے سامنے تم اپنا مُنہ کالا کرتے ہو جس سے تمہارا ہر وقت کا واسطہ ہے۔ اِس سے بہتر تھا کہ تم ادنیٰ درجہ کے مومن بن جاتے اور منافقوں میں تمہارا شُمار نہ ہوتا۔ (الفضل ربوہ ۱۸؍ستمبر ۱۹۵۱ء)

---

۱ المعجم الکبیر جلد ۶ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ عراق ۱۹۷۹ء

۲ بخاری کتاب الایمان باب علامات المنافق

۳ المائدہ: ۲۵